ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقید

سمیرا انجم
لیکچرار اردو
گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، دائرہ دین پناہ

DR JAMIL JALIBI AS A LITERARY CRITIC

Sumaira Anjum
Lecturer in Urdu
Govt. Degree College (W), Daira Deen Panah

Abstract

Dr.Jamil Jalbi is a well known historiographer critic, linguist, translator and editor. He has written history of Urdu literature in four volumes. These volumes have got immense praise from literary critics. Jamil Jalbi has compiled very first musnavi of Urdu (kadam rao padam rao). His translations of western poets and literary critics were warmly welcomed in literary circles of Urdu. He has also worked for Urdu language and compiled dictionaries as well. Jamil Jalbi has established himself as a great critic. His critical views have an impact on Urdu literature. His critical approach has made his work of history more reliable and interesting. This article is an effort to analyze his critical thought and style.

Keywords:
تنقیدی فکر، نظام خیال، کلچر شناسی، روایت اور جدت، مغربی مفکرین کے اثرات، اسلوب، ابلاغ، ترسیل، اردو تراکیب، امتزاجی فکر

ڈاکٹر جمیل جالبی اردو زبان وادب کے بلند پایہ مورخ، ناقد، ماہر لسان، محقق، مدون کلچر شناس اور مترجم ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی کی اردو زبان وادب کے حوالے سے خدمات کا سلسلہ تقریباً ۶۰ سالوں پر محیط ہے۔ ڈاکٹر جالبی کا سب سے پہلا تنقیدی مضمون ''نیا دور'' (کراچی) میں ۱۹۴۸ء میں ''نئے شاعر فیض احمد فیض'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ڈاکٹر جالبی کی تنقید نگاری کا دائرہ کاران کی تدوین نگاری اور تاریخ نگاری تک پھیلا ہوا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے تنقیدی مضامین پر مشتمل اب تک درج ذیل کتب سامنے آچکی ہیں:

- تنقید اور تجربہ، پہلا ایڈیشن، مشتاق بک ڈپو، کراچی ۱۹۶۷ء۔دوسرا ایڈیشن، یونیورسل بکس لاہور، ۱۹۸۸ء۔ ہندوستانی ایڈیشن، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۹ء
- نئی تنقید (مرتبہ: خاور جمیل) رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۸۵ء
- ادب، کلچر اور مسائل (مرتبہ: خاور جمیل) رائل بک کمپنی، ۱۹۸۶ء
- محمد تقی میر، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۱ء (اس کتاب میں شامل تمام تر مواد تاریخ ادب اردو (جلد دوم) میں شامل تھا۔دوسرا ایڈیشن، انجمن ترقی اردو سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا جبکہ دہلی ایجوکیشنل ہاؤس، ہندوستان سے ۱۹۸۳ء اور ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا جبکہ کراچی سے ۱۹۹۲ء سے شائع ہوئی۔
- معاصر ادب، سنگ میل لاہور، ۱۹۹۱ء
- قومی زبان۔یک جہتی نفاذ اور مسائل، مندرہ قومی زبان۔اسلام آباد، ۱۹۸۹ء
- پاکستانی کلچر۔قومی کلچر کی تشکیل کا مسئلہ ۱۹۶۴ء، پہلا ایڈیشن۔دوسرا ایڈیشن، ۱۹۶۶ء۔تیسرا ایڈیشن، ایلیٹ پبلشرز، ۱۹۷۳ء۔نیشنل بک فاؤنڈیشن سے پانچ ایڈیشن شائع ہوئے، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۴ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۹۲ء۔جبکہ ڈاکٹر ایاز قادری نے ۱۹۸۷ء میں سندھی زبان میں ترجمہ، شاہ لطیف بھٹائی چیئر کی جانب سے شائع کروایا۔
- ادبی تحقیق، مجلس ترقی ادب لاہور، جون ۱۹۹۴ء

ڈاکٹر جالبی کی تنقیدی کتب کے تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ کلچر، تنقید، تحقیق اور فکر کے امتزاج سے ایک نئے تنقیدی نظام کو وضع کرنے اور عملی طور پر اسے برتنے کے قائل ہیں۔ڈاکٹر جالبی نئی تنقید (جسے وہ ''امتزاجی تنقید'' کا نام دیتے ہیں) کو کلچر، فکر اور تاریخ کے امتزاج سے ایک ایسی سطح پر دیکھنا چاہتے ہیں جہاں یہ تمام عوامل مل کر تنقید کو وسیع تر اور متوازن صورت عطا کریں۔انھوں نے اپنے تنقیدی مضامین میں تفصیل سے اپنے امتزاجی تنقید کے نظریے پر روشنی ڈالی ہے۔ان کے تنقیدی مضامین میں کلچر اور تہذیب کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ڈاکٹر جالبی کی تنقید نہ صرف فکر اور کلچر کے مختلف عناصر سے وجود میں آئی ہے بلکہ عملی تنقید کے ضمن میں بھی انھوں نے کلچر کو بنیادی پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔یوں ادب کی تفہیم، زندگی اور معاشرے سے

قریب تر ہو جاتی ہے ۔ڈاکٹر جالبی کی تنقید، فکر اور کلچر کے امتزاج سے نہ صرف ہمارے فکری نظام کی کمزوریوں کو سامنے لاتی ہے بلکہ اس زوال اور کمزوری کو دور کرنے کے طریقے بھی بتاتی ہے ۔ڈاکٹر جالبی نے ادب کو عظیم معاشرتی سرگرمی تصور کرتے ہوئے معاشرے پر اس کے اثرات کی بھی نشاندہی کی ہے ۔

ڈاکٹر جالبی کی تنقید ہمارے تشخص کو دریافت کرنے میں معاون ہونے کے ساتھ ساتھ نئے نظامِ خیال کی ضرورت پر بھی روشنی ڈالتی ہے ۔ایک محبِّ وطن نقاد ہونے کے ناتے وہ ہمارے ادبی مسائل اور قومی مسائل کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کرتے ۔ان کی تنقیدی فکر جا بجا ہمارے مسائل کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کے حل کی تجاویز بھی پیش کرتی ہے ۔وہ ہمارے تخلیقی زوال کو فکری زوال کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں ۔ ہمارا فکری زوال، بوسیدہ نظام خیال کی پیداوار ہے ۔انھوں نے اپنی تنقید میں نئے نظامِ خیال کی تشکیل کے حوالے سے تجاویز بھی دی ہیں ۔جہاں بوسیدہ نظامِ خیال کو تخلیقی ادب کے زوال کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں وہیں نئے نظامِ خیال کی تشکیل میں اپنی ادبی روایات اور تہذیب کو نظر انداز نہیں کیا ۔اُن کے مطابق نئے تنقیدی معیارات وضع کرنے کے لیے مقامی معیارات کے ساتھ عالمگیر ادبی معیارات کی یکجائی وقت کا تقاضا ہے ۔ڈاکٹر جالبی قومی زبان کے بہت بڑے داعی اور محافظ کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں ۔قومی زبان کو رائج کرنے اور اسے سرکاری طور پر نافذ کرنے کے حوالے سے عملی اقدامات میں حصہ لیا ۔بالخصوص مقتدرہ قومی زبان کے چیئرمین کے طور پر انھوں نے اردو کے نفاذ کی عملی کوششوں میں حصہ لیا ۔آپ اردو کو نہ صرف ہمارے تہذیبی تشخص کی علامت سمجھتے ہیں بلکہ قومی یکجہتی اور قومی ترقی کے لیے اردو کی حفاظت اور ترویج کو اوّلین ذمہ داری قرار دیتے ہیں ۔

ڈاکٹر جالبی نے تنقید میں جہاں کلچر اور فلسفہ و فکر کے امتزاج کو پیش کیا ہے وہیں تحقیق کو بھی تنقید کا اہم حصہ خیال کرتے ہیں ۔انھوں نے تحقیق اور تنقید کے امتزاج سے ایک نئے اصطلاح ''تحقید'' وضع کی ہے ۔ان کی تنقیدی فکر میں ''باخبری'' ایک اہم عنصر ہے ۔وہ ایک طرف ادب اور ادیب سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ شعور کی سطح پر غور و فکر کا حامل ہو بلکہ اپنے اردگرد کے واقعات جملہ سائنسی اور عمرانی علوم سے بھی واقفیت ضروری ہے ۔خود ان کی عملی تنقید ان کی فلسفہ، نفسیات، عمرانیات اور دیگر علوم سے ان کی واقفیت کی آئینہ دار ہے ۔ڈاکٹر جالبی کی یہ ''باخبری'' محض مروّجہ علوم تک محدود نہیں بلکہ عالمی ادبی نظریات اور فلسفیانہ افکار سے واقفیت بھی ان کی تنقیدی فکر کا اہم حصہ ہے ۔مغربی ادب اور فلسفیوں سے ان کا لگاؤ اور دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔خود ڈاکٹر جالبی کئی مضامین اور انٹرویوز میں ایلیٹ کے حوالے سے اپنی پسندیدگی اور اس کے اثرات قبول کرنے کا ذکر کر چکے ہیں ۔ ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر جالبی پر ایلیٹ کے اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''۔۔۔ایلیٹ ڈاکٹر جالبی کے لئے محض ایک مصنف ہی نہیں چشمہء فیض بھی ہے وہ ان کا رہنما

ستارہ بھی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذہن متجسس تو پہلے ہی تھا لیکن ایلیٹ کے مطالعے نے ان کے ذہن کے گوشوں کو ایک نئی روشنی سے منور کیا، انہوں نے ادب، تہذیب اور زندگی کے نئے اور پرانے سوالات پر ایلیٹ کے تجزیاتی، تحلیلی انداز میں غور کرنے کی کوشش کی اور پاکستانی تہذیب اور ثقافت کو نئے مدار میں داخل ہونے کا راستہ دکھایا"۔(۱)

ڈاکٹر جالبی کے تنقیدی مضامین میں ایلیٹ ایک محوری حوالے کے طور پر موجود ہے چاہے وہ تہذیبی تناظر ہو یا روایت کا سراغ۔ان کی نظری اور عملی تنقید میں ایلیٹ کے اقوال بے ساختہ آجاتے ہیں۔ایلیٹ کے علاوہ جن دیگر مغربی ناقدین اور فلسفیوں کے اثرات ڈاکٹر جالبی کی تنقید نگاری میں محسوس کیے جاتے ہیں، ان میں میتھیو آرنلڈ، ایذ راپاؤنڈ وغیرہ کے نام بھی شامل ہیں۔بالخصوص ایذ راپاؤنڈ کا محقق نقاد ڈاکٹر جالبی کی تنقیدی فکر کا ایک اہم جزو ہے۔ڈاکٹر جالبی، ایذ راپاؤنڈ کے محقق نقاد کو نئی تنقید کا ترجمان قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر جالبی خود بھی اپنے تنقیدی مضامین اور ادبی تاریخ نویسی میں ایک محقق نقاد اور محقق مؤرخ کے روپ میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔ان کے فکر وفن پر تنقیدی آرا کے اظہار کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت اس کے کوائف کی فراہمی کے حوالے سے تحقیقی عمل کو ناگزیر تصور کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے مختصر تنقیدی مضامین کے علاوہ ادبی تاریخ میں وہ درست تحقیقی مواد کی فراہمی اور استخراج نتائج کے ضمن میں نہایت احتیاط کا اظہار کیا ہے۔ان کی فراہم کردہ تحقیقی معلومات کو جھٹلانا مشکل ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے تحقیقی نتائج کو بہت کم محققین اور مورخین نے چیلنج کیا ہے۔ڈاکٹر جالبی کی تنقیدی کتب میں جہاں ان کی نظری اور عملی تنقید کے مظاہر نظر آتے ہیں وہیں ان کے مرتب کردہ تواریخ ادب جو نویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی تک احاطہ کرتے ہیں، میں اس طویل عرصے کے دوران اردو زبان وادب کے منظر نامے پر ظاہر ہونے والے اوّل و دوّم درجے کے شعرا اور نثر نگاروں پر تنقیدی آرا ملتی ہیں۔ڈاکٹر جالبی واحد نقاد ہیں جنھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ اردو کے اس طویل ادبی منظر نامے پر ان کی تنقیدی آرا موجود ہیں۔اس لحاظ سے وہ بجا طور پر دعویٰ کرتے ہیں کہ اردو ادب کے حوالے سے جس مقدار میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد کا مطالعہ انھوں نے کیا ہے کسی بھی مورخ اور ناقد نے نہیں کیا ہوگا۔ڈاکٹر جالبی کی تنقید کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے خود کو کسی خاص صنفِ سخن سے وابستہ نہیں کیا ناول، افسانہ، اصناف شاعری وغیرہ پر ان کا تجزیہ انھیں ہمہ جہت اور ہمہ گیر نقاد ثابت کرتا ہے۔اس حوالے سے یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ انھوں نے خود تخلیقی ادب کے حوالے سے کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔لیکن فن پاروں کی جانچ پرکھ کرتے ہوئے ان کی تنقید، تخلیقی تنقید کا روپ دھار لیتی ہے۔اس نہج پر پہنچ کر تنقید بذات خود ایک تخلیقی عمل بن جاتا ہے بقول احمد ہمدانی:

"فن پارے کی خوشبو دار خلوت میں گم ہو جانے کا یہ عمل چونکہ تخلیقی ہے اس لئے ڈاکٹر جالبی نے

غزل ،افسانے یا نظم کے تخلیقی کرب سے نہ گزرنے کے باوجود ان پر تنقید لکھ کر دراصل تخلیقی فریضہ ہی سرانجام دیا ہے ۔ظاہر ہے کہ تنقید کا تخلیق ہونا نقاد سے متخیلہ کی اعلیٰ اقدار کے مظہر ہیں"۔(۲)

ڈاکٹر جالبی اپنے تنقیدی مضامین کی روشنی میں ایک متوازن اور معتدل ناقد کے روپ میں ہمارے سامنے ہیں ۔ان کا یہ اعتدال اور توازن نہ صرف ان کی تنقیدی آرا کے ضمن میں دیکھا جا سکتا ہے بلکہ بطور مفکر نقاد، ان کے فکری رویے بھی اعتدال اور توازن کے آئینہ دار ہیں ۔اپنے ملک وملت کے مسائل کے تجزیے اور ان کے حل کے حوالے سے تجاویز دینے کی ضمن میں ایک طرف حب الوطنی کا دامن تھامے رہتے ہیں وہیں انھوں نے عالمگیر انسانی اقدار اور آفاقی قوانین کو اپنی تنقیدی فکر کے پس منظر اور پیش منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ڈاکٹر جالبی ایک ایسے نقاد ہیں جو مقامی، علاقائی اور بین الاقوامی تعصّبات سے پاک ہے ۔مغربی تنقید اور ادب سے استفادہ ان کی وسعت نظری کی دلیل ہے۔

ڈاکٹر جالبی کی فکر پر جہاں ایلیٹ، میتھیو آرنلڈ اور ایذ راپاؤنڈ کے اثرات کی نشاندہی کی جاتی ہے وہیں انھیں محمد حسن عسکری کے دبستان تنقید سے وابستہ ناقدین میں شمار کیا جاتا ہے ۔محمد حسن عسکری کی مانند انھوں نے بھی کلچر، اسلامی کلچر کی تشکیل اور معاصر ادب کو درپیش مسائل کے حوالے سے قلم اٹھایا لیکن محمد حسن عسکری کی طرح پاکستانی ادب کی تشکیل کے حوالے سے مباحث ڈاکٹر جالبی کی تنقید کا حصہ نہیں ہیں ۔اگر چہ ڈاکٹر جالبی کو محمد حسن عسکری کے دبستان تنقید سے وابستہ کیا جاتا ہے لیکن ان کی تنقیدی فکر، انفرادیت کے باعث اپنا الگ تشخص قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہے ۔ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"محمد حسن عسکری سے متاثر ہو کر تنقید لکھنے والوں میں ڈاکٹر جالبی، سلیم احمد، شمیم احمد، مظفر علی سید، کے تصور میں وہ مذہبی آہنگی بھی دکھائی دے، جو اسلام کے تصورِ حقیقت سے مستعار ہے لیکن ان سب میں فکر، طرزِ احساس اور نقطۂ نظر کی تعبیر بالکل مختلف اور منفرد رنگا رنگی سے مرتب ہوتی ہے ۔ان سب کے ہاں تہذیبی جمالیات کی روایتی معنویت کی ہم آہنگی کے سوا شاید ہی کوئی دوسری خوبی مشترک ہو"۔(۳)

ڈاکٹر جالبی کی تنقید کی مانند ان کا تنقیدی اسلوب بھی اعتدال ،توازن اور تخلیقی اُپج کا آئینہ دار ہے ۔ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی ابلاغ اور معانی کی ترسیل کو قرار دیا جا سکتا ہے ۔"طرز تحریر ان کے لیے تحریر اور اس کی معنویت سے جدا اور ان پر اضافی صفت نہیں بلکہ اس سے ان کی تحریر کی داخلیت عبارت ہے"۔(۴)

تنقیدی فکر کے اظہار میں ابلاغ کا عنصر نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ابلاغ میں ناکامی افسانوی ادب میں تو قابل قبول ہوسکتی ہے لیکن تنقیدی فکر ابلاغ کے بغیر ناکام تصور کی جاتی ہے۔ڈاکٹر جالبی کی تنقید میں ابلاغ کا یہ عنصر ان کے الفاظ کے انتخاب اور غیر معروف تراکیب سے احتراز میں پوشیدہ ہے حتیٰ کہ مشکل اور فلسفیانہ تصورات کے اظہار میں بھی الفاظ کا انتخاب معنویت اور شفافیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ایک مضمون ''سارتر وجودیت اور ادب'' میں سارتر کے فلسفۂ وجودیت پر ایسے الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں کہ ادب کے عام قارئین بھی فلسفۂ وجودیت کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔لکھتے ہیں:

> ''وجودیت'' کی داخلیت انسان کو اس کی اپنی ذات میں محدود نہیں کرتی بلکہ حیات و کائنات کی نئی منزلیں اور وسعتیں سامنے کر دیتی ہے۔وہ اپنی آزادی کے تصور میں دوسروں کی آزادی کو نہیں بھولتا۔اسے یہ خیال بھی رہتا ہے کہ زندگی اس وقت تک کچھ حیثیت نہیں رکھتی جب تک اسے بسر نہ کیا جائے اور اس میں معنی پیدا کرنا خود انسان کا کام ہے۔انسانی کائنات داخلیت کے علاوہ کوئی دوسری کائنات نہیں ہے۔وہ اپنی مطلقیت کا محور ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا قانون ساز نہیں ہے''۔(۵)

ڈاکٹر جالبی کی تنقید میں ابلاغ کے عنصر کی کامیابی ان کے الفاظ کے چناؤ اور مروّج زبان کے الفاظ کے استعمال میں مضمر ہے۔ان کی تنقیدی فکر پر انگریز ناقدین کے اثرات کی نشاندہی کی جاتی ہے لیکن ان کی تنقید میں انگریزی زبان کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے سوائے اس کے کہ کسی انگریزی لفظ کے اردو متبادلات موجود نہ ہوں۔ڈاکٹر جالبی الفاظ اور اصطلاحات کے اردو تراجم کے استعمال کو فوقیت دیتے ہیں۔ان کا یہ رجحان ان کے نظریاتی تنقیدی مضامین اور عملی تنقید میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔غالب کی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس کے ہاں میر کی طرح احساس و جذبہ کے ننھے منے جگنو نہیں چمکتے بلکہ فکر کی حرارت اور شعور و احساس کا ادراک ذوق تماشا بخشتا ہے۔غالب کی نظر ایک فلسفی کی نظر ہے اور وہ جن چیزوں کو سامنے لاتا ہے، تخیل، تجربے اور جذبات کے ذریعے (جسے ٹی ایس ایلیٹ فکر کا جذباتی مترادف Emotional Equivalent to Thought کہتا ہے) ان کی دائمی حقیقت اور گہرائی تک بھی پہنچا دیتا ہے''۔(۶)

ڈاکٹر جالبی نے جہاں انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات پیش کیے ہیں وہیں اپنی فکر کے اظہار کے لیے نئی تراکیب بھی تراشی ہیں جو ان کی تحریروں میں ابلاغ کے عنصر کو مزید بڑھا دیتی ہے۔انھوں نے ایک طرف ایلیٹ کے فکری اثرات قبول کرنے کا اقرار کیا ہے وہیں ایلیٹ کے اسلوب اور جملہ سازی کی پیروی کا بھی اقرار کیا ہے۔

ڈاکٹر جالبی اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

''ٹی۔ایس ایلیٹ کو ترجمہ کرنے کا سبب بھی یہی تھا کہ میں اس کے تنقیدی اسلوب کو اپنانا چاہتا تھا اور ترجمے سے میں نے اس کے اسلوبی راز کو دریافت کر کے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میری تحریر پر ایلیٹ کا اثر نمایاں ہے''۔(۷)

ڈاکٹر جالبی کی جملہ سازی پر ایلیٹ کے اثرات کے باوجود، ان کی تحریروں کے جملے فنی اور ہیئتی حوالے سے انفرادیت لیے ہوئے ہیں۔ خیال کی ترویج کے لیے کہیں جملہ طویل اور ٹکڑوں میں بٹا ہوتا ہے اور کہیں چھوٹے اور بامعنی جملوں سے خیال کی ترسیل کا کام لیا گیا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

_ ''میر کی شاعری میں جو تیور، جو لہجہ، جو رنگ اور غم و کرب کی جو کیفیت نظر آتی ہے اس کا تعلق اس کے عہد کے اس کرب سے ہے، جب مغلیہ تہذیب زوال کی طرف جا رہی تھی''۔(۸)

_ ''میر ایک ایسا شاعر ہے جس کے ساتھ ہم ساری زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ میر ہمیں اپنے اندر لیتے ہیں۔ میر کے ہاں موت زندگی پر غالب نہیں آتی بلکہ زندگی موت پر غالب آتی ہے وہ قنوطی شاعر نہیں ہیں بلکہ زندگی کے شاعر ہیں۔ وہ زندگی جس میں غم و خوشی، شادی و مرگ، کامیابی و ناکامیابی سب ایک ساتھ چلتی ہیں''۔(۹)

ڈاکٹر جالبی کے تنقیدی اسلوب کی ایک صفت 'معقولیت' ہے۔ ان کی فکر کا محور کلچر، قومی یکجہتی اور قومی شناخت جیسے عناصر ہیں لیکن ان سب کے باوجود ڈاکٹر جالبی اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے معقولیت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اپنے نقطہ نظر کے بیان میں جذباتیت کا عنصر محض اس حد تک شامل کرتے ہیں جس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہونے کا احتمال نہ ہو۔ ان کی تنقید، تنقیص کے دائرے میں داخل نہیں ہوتی۔

اردو زبان کی ترویج کے حوالے سے انگریزی دان طبقے کے کردار کی مذمت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جب انگریزی اسکول کے پڑھے ہوئے طالب علم حاکم بن کر کرسیٔ اقتدار پر بیٹھتے ہیں تو وہ ایک طرف وہ اپنی تعلیم و تربیت کی وجہ سے اپنی تہذیبی روایت اور اپنے قومی ورثے سے نابلد ہوتے ہیں اور دوسری طرف وہ انگریزی اور انگریزی تعلیم کے نظام کو اور مضبوط کرتے ہیں اور ہمارے احساسِ قومیت کو کمزور سے کمزور تر کر دیتے ہیں۔ اس طرح ہمارے موجودہ نظام تعلیم نے انگریزی پر غیر معمولی زور دے کر نہ صرف ہماری نئی نسلوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو حد درجہ زخمی کیا ہے بلکہ انہیں قوم کے فکر و شعور کے لئے ناکارہ بنا دیا ہے''۔(۱۰)

ڈاکٹر جالبی کی تحریروں میں ایک استدلالی رویہ ملتا ہے۔ اُن کی تحریر میں اُن کے نظریات اور عملی تنقید کے نتائج کو نہایت وضاحت اور استدلال کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسی استدلالی رویے کی بنا پر ان کے تحقیقی و تنقیدی نتائج سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً غالب کی شاعری میں امیجری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''آگ اور گرمی کی امیجری غالب کے تخلیقی مزاج کا حصہ تو ضرور ہے لیکن اگر ہم اس امیجری سے کوئی ایسا تنقیدی نظام بنانے کی کوشش کریں جیسا کہ مغرب کے جدید اشاریت پسندوں کے ہاں بن جاتا ہے تو ہمیں اس وجہ سے کامیابی نہیں ہوگی کہ اوّل تو غزل کی داخلی دنیا میں کسی منظم اشاریت کی گنجائش نہیں تھی پھر غالب کو دانتے کی طرح کوئی نئی واضح سکیم بھی نہیں ملی تھی''۔(۱۱)

ڈاکٹر جالبی کا یہ استدلالی طریقہ کار ان کی تنقیدی فکر کی جان ہے، اپنے نقطۂ نظر کو بیان کرتے ہوئے مستحکم دلائل فراہم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر جالبی کی فکر اور تحریریں اردو زبان سے ان کی محبت کی مظہر ہیں۔ایک طرف ان کی فکر پاکستان اور اردو سے محبت کی عکاس ہے تو دوسری طرف ان کی نثر کا اردو پن اسی محبت کا عملی اظہار بن کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ان کی نثر کا یہ اردو پن ان کے جملوں کی ساخت، الفاظ کے انتخاب، نئی تراکیب وضع کرنے میں نمایاں ہے۔اردو زبان کے اہم ادیب ہونے کے ناتے وہ نہ صرف اردو زبان کے بہت بڑے داعی رہے ہیں بلکہ اردو کے نفاذ کی عملی کوششوں میں ان کے کردار سے انکار ممکن نہیں۔اُن کی تحریروں میں شگفتگی، روانی اور سلاست نے ان کی نثر کو دلچسپ اور قابلِ مطالعہ بنا دیا ہے۔ڈاکٹر جالبی تنقیدی فکر کے اظہار کے لیے ایسا اسلوب اختیار کرتے ہیں جو نہ صرف ادب کے سنجیدہ قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہا ہے بلکہ عام قارئین بھی ان کے تنقیدی مضامین کو یکساں دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ان کی تحریروں میں یہ شگفتگی اور دلچسپی ان کی نثر میں طنز و مزاح اور تشبیہ و استعارہ کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔انھوں نے اگرچہ تخلیقی ادب کے حوالے سے کوئی بڑا کام نہیں کیا لیکن ان کی نثر کی خوبصورت زبان نے ان کی تنقید کو تخلیقی تنقید بنا دیا ہے۔وہ عام طور پر مضمون کی ابتدا اس انداز میں کرتے ہیں کہ قارئین ان کے طنزیہ و شگفتہ اسلوب کی بنا پر مضمون میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ان کا طنز بھی ان کی شخصیت اور تنقید کی مانند معتدل و متوازن ہے۔وہ طنز کے تیر نہیں چلاتے بلکہ شگفتہ انداز میں ہمارے مجموعی قومی رویوں اور کجیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔مثلاً بہادر شاہ ظفر کے حوالے سے مضمون کی ابتدا ان الفاظ سے کرتے ہیں ''اردو شاعری کی تاریخ میں خرابیٔ صحبت کی دو مثالیں ملتی ہیں۔ایک انشاء کے ہاں اور دوسری ظفر کی ذات میں۔انشاء کو نواب سعادت علی خان کی صحبت کھا گئی اور ظفر کی شاعری کے چمن کو ذوق و شاہ نصیر کی بدذوقی نے خزاں رسیدہ کر دیا''۔(۱۲)

اُن کی تنقیدی تحریروں میں تشبیہ و استعارہ کا استعمال ان کی تحریروں کو بامعنی بنانے کے ساتھ ساتھ قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان بھی مہیا کرتا ہے مثلاً فراق کی رباعیوں کے جمالیاتی پہلو کو خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فراق کی رباعیاں چاند کی ان پُرنور اور پاکیزہ کرنوں کی طرح ہیں جن سے روح اور جسم دونوں کو آرام اور سکون پہنچتا ہے۔ جب حقیقت کے تار و پود بکھر جاتے ہیں اور انسان اپنی روح میں ایک ہیجان اور اضطراب محسوس کرنے لگتا ہے اور زندگی میں اسے حقیقتوں کی کمی اور فقدان محسوس ہونے لگتا ہے تو فراق کی رباعیاں اپنے شیریں الفاظ، مدہم اور نیم خوابیدہ بوجھل اسلوب اور خوبصورت امیجز (images) کے ساتھ ہماری زندگی میں ایک تازہ جولانی، ایک نئی لہر اور نئی کیفیت بھر دیتی ہیں''۔(۱۳)

ڈاکٹر جالبی کے اسلوب کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ ان کا اسلوب کہیں بھی مغلق اور پیچیدگی اختیار نہیں کرتا۔ انھیں اپنی فکر اور نتائج کے اظہار کے لیے زبان کے بھرپور استعمال کا ہنر آتا ہے۔ ان کی تحریروں میں جامعیت ان کی تحریروں کی معنویت میں اضافہ کرتی ہے۔ وہ اپنے نقطۂ نظر کو گھما پھرا کر بیان کرنے کی بجائے سیدھے سادے انداز میں جامعیت کے ساتھ اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ بات آئینہ ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر جالبی کے تنقیدی مضامین ان کی تنقیدی فکر کے خدوخال اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی عملی تنقید کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے بھی معاون ہیں۔ انھوں نے غیر جانبدارانہ انداز میں مصنف کی شخصیت اور کلام کا تجزیہ کرنے کے بعد تنقید کے مختلف طریقوں، جمالیاتی، نفسیاتی، عمرانی وغیرہ کے امتزاج سے نتائج مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تنقید میں عمرانی اور نفسیاتی تنقید کے طریقۂ کار کا استعمال زیادہ نظر آتا ہے۔ کسی فن پارے کو اس کے عہد اور مصنف کی شخصیت کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش تقریباً ان کے تمام تنقیدی مضامین میں نظر آتی ہے۔ تنقیدی نتائج کے بیان میں وہ محض تخلیقی محاسن گنوانے پر زور صرف نہیں کرتے بلکہ تخلیق کے نقائص کی نشاندہی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ان کے تنقیدی نتائج چونکا دینے والے اور مروّجہ نظریات سے الگ بھی ہوتے ہیں۔

تہذیب اور کلچر کے مسائل کو تنقید نگاری کے پس منظر کے طور پر استعمال کرنے کے حوالے سے کوئی اور نقاد ڈاکٹر جالبی کی ہم سری نہیں کر سکتا۔ یہی پہلو بطور نقاد ان کی انفرادیت اور عظمت کا مظہر ہے۔ ڈاکٹر انور سدید ان کی تنقید کے اسی پہلو کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر جالبی کے عہد میں ادیب اور معاشرے کے طرزِ احساس میں ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان کے ہاں جن موضوعات نے زیادہ اہمیت حاصل کی، ان میں مختلف سماجی رشتوں کے تعین کا رجحان زیادہ نمایاں ہیں ۔۔۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان سب کو ایک مفکر کی آنکھ سے دیکھا ہے، جو منظر کے علاوہ پس منظر کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ موجود سے ناموجود کی دریافت کرتا ہے اور ماضی کا سرا حال کے ساتھ ملاتا ہے تو اسے مستقبل کی طرف لپکنے کا موقع بھی

عطا کرتا ہے ۔ان تمام مباحث میں انہوں نے کلچر اور تہذیب کو فکری اساس کے طور پر استعمال کیا ہے اور تنقید کو اس آزادی کے ساتھ برتا ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر ان کے ہاں تنقید محض اظہار کا میڈیم نہیں بلکہ ایک مقصد بن جاتی ہے ۔انہیں احساس ہے کہ بیسویں صدی میں سائنس نے فلسفے کو غیر اہم بنا دیا ہے اور فلسفہ رفتہ رفتہ سائنس کی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو کر بے معنی ہوتا جا رہا ہے ۔اس مشکل مرحلے پر ڈاکٹر جالبی نے وہ کام ادبی تنقید سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، جسے ایک زمانے میں ادب اور فلسفہ الگ الگ سرانجام دیتے ہیں'' ۔(۱۴)

ایک بالغ نظر اور مفکر نقاد کے طور پر اپنے عہد اور آنے والے عہد کے مسائل کا ادراک اور ان کا حل تجویز کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر مثال پیش کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی بطور نقاد اردو ادب کے محسن کے طور پر یاد رکھے جائیں گے ۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ڈاکٹر انور سدید، 'ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقید' مشمولہ، 'ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ایک مطالعہ' مرتب، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، بار اوّل، ۱۹۹۳ء ص ۲۰۹

(۲) احمد ہمدانی 'منفرد ادبی تنقید' مشمولہ، 'سفیر اردو' سہ ماہی، اکتوبر / نومبر ۲۰۰۴ء، یو ۔کے، ص ۱۴۶

(۳) عبدالعزیز ساحر، 'ڈاکٹر جمیل جالبی شخصیت اور فن' اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص ۳۸

(۴) ڈاکٹر قاضی عبدالقادر، 'جمیل جالبی اسلوب کی باتیں' مشمولہ، ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ایک مطالعہ محولہ بالا، ص ۱۸۳

(۵) ڈاکٹر جمیل جالبی 'تنقید اور تجربہ' لاہور، یونیورسل بکس، بار دوّم، ۱۹۸۸ء، ص ۸۶ ۔۳۸۵

(۶) ڈاکٹر جمیل جالبی ''نئی تنقید' کراچی، رائل بک کمپنی، بار اوّل، ۱۹۸۵ء، ص ۲۴۰

(۷) ڈاکٹر جمیل جالبی سے گفتگو: شیراز بن عطاء وژن مجلّہ اسلام آباد، ماڈل کالج، ایف ۱۰/۲، اسلام آباد، ۲۰۰۶ ص ۱۸

(۸) ڈاکٹر جمیل جالبی، 'معاصر ادب' لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، بار اوّل، ۱۹۹۱ء، ص ۳۰

(۹) ڈاکٹر جمیل جالبی، 'نئی تنقید' محولہ بالا، ص ۲۰۹

(۱۰) ڈاکٹر جمیل جالبی، 'قومی زبان، یک جہتی، نفاذ اور مسائل' اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، ص ۳۴

(۱۱) ڈاکٹر جمیل جالبی، 'نئی تنقید' محولہ بالا، ص ۲۲۶

(۱۲) ڈاکٹر جمیل جالبی، 'تنقید اور تجربہ' محولہ بالا، ص ۱۹۱

(۱۳) محولہ بالا، ص ۲۲۱

(۱۴) ڈاکٹر انور سدید، 'ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقید' مشمولہ، 'ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ایک مطالعہ' محولہ بالا، ص ۲۰۵